سورة المزمل

اس سورۃ میں بیس آیات ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) **يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ** (ترجمہ:۔اے چادر پوش) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی سوائے **ان ربک یعلم**.....الی الآخر۔اور ماوردی کہتے ہیں کہ حسن کا قول ہے کہ پوری کی پوری مکی ہے اور قتادہ کہتے ہیں کہ **واصبر علی مایقولون** اور اس کے ساتھ والی آیت کے علاوہ مکی ہے۔حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ قریش دارالندوۃ میں جمع ہوئے اور کہا کہ اس شخص کا کوئی نام تجویز کرو۔تو کچھ نے کہا یہ کاہن ہے تو لوگوں نے کہا یہ کاہن نہیں پھر کچھ نے کہا یہ مجنون ہے تو اس پر بھی بعض نے کہا کہ یہ مجنون بھی نہیں ہے۔کچھ نے کہا یہ ساحر ہے۔تو بعض نے مخالفت کی یہ ساحر نہیں ہے۔پس یونہی مشرک اتفاق رائے کئے بغیر منتشر ہوگئے۔یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہونچی تو آپ ﷺ اپنے کپڑوں میں لپٹ گئے اور کپڑا اوڑھ لیا تو آپ کے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے **یایھا المزمل یایھا المدثر** سے خطاب کیا۔مفسرین کا قول ہے کہ یہ روایت بزار اور طبرانی نے اوسط میں بیان کی۔جمہور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس جب فرشتہ غارِ حرا میں آیا اور آپ ﷺ سے کلام کیا تو رسول اللہ ﷺ گھبرا گئے کیونکہ جبرئیلؑ اپنی اصلی صورت میں تھے اور آپ ﷺ نے اپنی تمام عمر میں اس قسم کا ہیکل عظیم نہیں دیکھا تھا۔پس آپ ﷺ غار سے برآمد ہوئے۔اور حضرت خدیجہ کی طرف تشریف لے آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا **زملونی. زملونی** (مجھے چادر اڑھاؤ) تو **یا یھا المزمل** نازل ہوئی۔حضرت عائشہؓ اور دیگر کا قول ہے آپ ﷺ کو **یا یھا المزمل** کے ساتھ پکارا گیا ہے کیونکہ آپ اس نزول کے وقت چادر لپٹے ہوئے تھے۔اور قتادہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ عبادت کی خاطر کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے۔عکرمہ کا قول ہے۔اس کے معنی ہیں نبوت کو اوڑھنے والے۔اور جمہور نے اس لفظ کو ''زا'' کی تشدید اور میم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔اصل میں یہ لفظ متزمل ہے پس تا کو زا میں ادغام کر دیا گیا ہے۔امرأ القیس کا شعر ہے۔

كان ثبيراً في عرانين وبله كبير اناس في بجاد مزمّل

یہ زا کی تخفیف کے ساتھ ہے۔اور اصل یعنی تاء کے ساتھ بھی آیا ہے۔جیسے ذوالرّمۃ کا شعر ہے۔

وكائن تخطب نافتي من مفارة ومن نائم عن ليلها متزمّل

اور اُبی نے اصلی حالت میں **المتزمل** پڑھا ہے۔اور عکرمہ نے ''زا'' کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔اور یہ لفظ اور اسی طرح سے ''مدثر'' کا لفظ آپ کا نام نہیں ہے بلکہ یہ آپ کی حالت پر دلالت کرنے والے الفاظ ہیں۔جب کوئی شخص کپڑوں میں لپٹ جائے تو کہا جاتا ہے **تزمل فلان**۔اسی طرح ہر لپٹی ہوئی چیز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ **قد زمل** اور حدیث سقیفہ میں ہے کہ **فاذا جاء رجل بین ظھر انیھم ای معطیً مدثر** اس سے مراد سعد بن عبادہؓ ہیں۔اور شہدائے احد کی حدیث میں ہے کہ **زمّلوہ بثیابھم ای**

لفوّھم فیھا یعنی انہوں نے انہیں ان کے کپڑوں ہی میں لپیٹ کر کفن دے دیا۔ اللہ نے آپ کو اس لفظ سے مخاطب فرمایا کہ اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ کی ذات آپ ﷺ سے (ملاطف) مائل بہ لطف ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ سے جب آپ سو گئے تھے اور آپ کے پہلوؤں پر مٹی لگ گئی تھی فرمایا تھا. "قم یا ابا تراب" آپ کے اس خطاب میں یک گونہ انس ولطف تھا۔

(۲۔۳۔۴) **قُمِ الَّیۡلَ** (ترجمہ:۔ رات کو قیام فرمایئے) جمہور نے میم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوالسمال نے اسے "ق" کے پیش کی مناسبت سے میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ نیز اسے میم کے زبر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن جنی کہتے ہیں کہ حرکت دینے سے غرض التقاء ساکنین سے فرار ہے۔ پس جس حرف کے ساتھ بھی اسے حرکت دی جائے تو مدعا حاصل ہو جائے گا۔ کہا گیا ہے کہ اس میں امر ندبی ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رات کا قیام آپؐ پر فرض تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور اکثر لوگوں کی یہی رائے ہے۔ **اِلَّا قَلِیۡلًا۝ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا۝ اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ** (ترجمہ:۔ مگر تھوڑی رات یا آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس میں اضافہ کر دیں) امام رازی کہتے ہیں کہ **قلیلاً** سے مراد رات کا تیسرا حصہ ہے۔ اور اس پر دلیل اللہ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ **انک ربک یعلم انک تقوم ادنی من ثلثی الیل ونصفه وثلثه**۔ (المزمل ۲۰) اس آیت میں آپ ﷺ کو اس بارے میں اختیار دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ آدھی رات قیام کریں یا اس سے کم یا اس سے زیادہ اور یہ اس صورت میں ہوگا جب **نصفه** کے لفظ کو **قلیلاً** سے بدل مانا جائے تو پھر یہ معنی ہوں گے کہ آپ ﷺ کو پوری آدھی رات اور ناقص آدھی اور آدھی رات سے بھی زائد وقت کے بارے میں اختیار ہے۔ اور نصف کو قلۃ کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔ یہ محض کل کے مقابلے میں ورنہ **قلیل** کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے۔ جو نصف سے کم ہو۔ اور اگر **نصفه** کو لیل سے بدل مانا جائے اور **الا قلیلا** کو **نصفه** سے استثناء تو دو باتوں کے درمیان اختیار ہو جائے گا۔ یعنی یہ کہ آپ ﷺ آدھی رات سے کم حصہ کھڑے ہوا کریں اور دوسرا یہ کہ دو امور میں سے ایک اختیار کریں وہ ہے آدھی رات سے زیادہ یا آدھی رات سے کم۔ صاحب کشاف کا بھی یہی رجحان ہے۔ ابوحیان کہتے ہیں کہ تبریزی نے کہا ہے قیام کا حکم اور زیادہ اور نقصان میں اختیار رات کے آخر میں سے دو تہائی پر واقع ہوا ہے۔ کیونکہ پہلی تہائی عشاء کا انتہائی وقت کہلاتی ہے۔ اور استثناء مامور بہ وارد ہوا ہے۔ گویا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ رات کی دو تہائی میں کھڑے ہوا کریں مگر تھوڑی رات۔ پھر **نصفه** کو **قلیلاً** کا بدل لایا گیا تو **قلیل** دو تہائیوں میں سے نصف کے ساتھ مفسر ہو گیا۔ اور اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں اپنی اپنی رائے کے مطابق اختلاف کیا ہے۔ **وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا** (ترجمہ:۔ اور قرآن خوب صاف صاف پڑھیں) **الرتل** کے معنی ہیں کسی چیز کا حسن تناسق (ترتیب) اور **حسن تنضید** (تہہ بہ تہہ۔ چنائی) قراءت میں ترتیل کے معنی ہیں۔ ٹھیر ٹھیر کے اور کھول کھول کے بغیر کسی خرابی کے پڑھنا۔ ابوالعباسؓ کہتے ہیں کہ ترتیل کے معنی تحقیق، تبیین اور تمکین کے ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کھول کھول کر بیان فرمانا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ حرف حرف ادا کیجئے۔ اور نبی ﷺ کے قراءت کے بیان میں آیا ہے کہ آپ ﷺ ایک ایک آیت کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھتے تھے۔ زجاج کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی قراءت لمبی ہوا کرتی تھی یہ کہکر آپ نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم**

پڑھی۔ بسم اللہ کولمبا کیا. الرحمن کولمبااورالرحیم کولمبا کیا۔ بخاری نے اسی طرح روایت کی ہے۔اورحضرت ام سلمیٰؓ سے مروی ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا آیت آیت کی قراءت الگ کرتے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیمo الحمد للہ رب العالمینo الرحمن الرحیمo مالک یوم الدینo . اسے امام احمد اورابو داؤد نے روایت کیا ہے ابوموسیٰ اشعری بہت عمدہ آواز والے تھے اور قراءت کو خوش گلوئی سے پڑھتے تھے۔اس کے بارے میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ انہیں آل داؤد کے مزامیر میں سے مزمار عطا کیا گیا۔لحن داؤدی عطاء فرمایا گیا۔آپؐ کی اس سے مراد ابوموسیٰ اشعری تھے۔جس پر ابوموسیٰ نے عرض کیا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میری قراءت سماعت فرمارہے ہیں تو میں اسے آپ کے لئے اور زیادہ سریلا بناتا۔اس طرح ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں رقم کیا ہے۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ قرآن مجید کی قراءت ترتیل اور تجوید اللہ کی خشیت اور اس کی بارگاہ میں حضوری کی علت ہے۔کیونکہ بندہ کا قلب جب اللہ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے تو امور معاش اور ان کی اصلاح بلکہ لہو ولعب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔پس اسے نماز میں حضوری حاصل نہیں ہوتی۔اور اسے اللہ کا خوف دامن گیر نہیں ہوتا لہذا جیسے چاہتا ہے قرآن پڑھتا ہے کیونکہ اس کا قلب قرآن اور نماز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔البتہ جس شخص کے قلب میں اللہ کی خشیت اور حضوری گھر کر جاتے ہیں تو وہ قرآن کے معنی میں تدبر اور حقائق میں تفکر کرتا ہے لہذا ترتیل وتجوید کے سوا قراءت نہیں کرتا۔اور جو بھی اس صفت سے متصف ہوتا ہے وہ امور دنیا میں مشغولی سے اجتناب اور منہیات اور لہولعب سے احتراز برتتا ہے۔اور اللہ طرف رجوع کرتا ہے۔اور طاعات وعبادات کے ذریعہ اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔پس جو کوئی شخص اس حالت پر مداومت کرے گا تو وہ ولی صالح بن جاتا ہے۔جس شخص کا قلب اللہ کی طاعت اور اس کے ذکر میں خشوع وخضوع سے معمور ہوتا تو اس کا قلب اللہ کے جلال سے متاثر ہوتا ہے اور اس کے خوف سے لرزاں وترساں ہوتا ہے اور وہ شخص حضورِ قلب اور صدقِ نیت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے۔پھر جب وہ نماز میں قرآن پاک پڑھتا ہے تو اس کے پڑھنے پر قادر نہیں ہو پاتا کیونکہ اس کی زبان اس کے اعضاء کو بہ تکلف اطاعت مجبور کرتی ہے او رہر حرف اللہ کا خوف دامن گیر ہوتا ہے۔کیونکہ اسی کا تصور ہوتا ہے کہ اس کا معبود اس کے قبلہ رخ ہے پھر اس کے ہیبت وجلال میں مستغرق ہو جاتا ہے۔اور اپنی طاعت کے قصور پر نادم ومتحیر رہ جاتا ہے۔شیخ اکبر نے فتوحات میں ایک حکایت نقل کی ہے جو ہمارے اس بیان کی تائید کرتی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ہمیں ہمارے شیخ مقری ابوبکر محمد بن خلف بن صاف اللخمی نے بعض صالح متقی معلمین سے روایت کر کے بتایا کہ ایک نوجوان شخص قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا تھا پھر اسے اس نے زرد رود یکھا تو اس کے حال کے بارے میں سوال کیا تو اسے بتایا گیا کہ یہ شخص پوری رات تلاوت کرتا ہے' تو انہوں نے اس سے کہا کہ بیٹے مجھے بتایا گیا ہے کہ تم پوری رات قرآن کھڑے ہو کر پڑھتے رہتے ہو۔تو اس نے کہا کہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کو بتایا گیا ہے۔تو انہوں نے اس سے کہا بیٹے آج رات اپنے قلب میں مجھے یاد رکھنا اور اپنی نماز میں قرآن پاک پڑھتے رہنا اور مجھ سے غافل نہ ہونا۔نوجوان نے کہا جی بہتر۔صبح استاد نے اس سے پوچھا کہ کیا گذشتہ رات تم نے قرآن ختم کرلیا۔اس نے کہا کہ نہیں میں آدھے قرآن سے زائد پر قادر نہیں ہوسکا۔تو انہوں نے کہا کہ یہ صحیح ہے پھر استاد نے کہا کہ آج رات قرآن پڑھو تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کو اپنے پیش نظر رکھنا جنہوں نے رسول اللہ

ﷺ سے قرآن سنا تھا۔ اور اسی پر اپنی قراءت جاری رکھنا اور احتیاط برتنا تو نوجوان نے کہا انشاء اللہ۔ جب صبح ہوئی تو استاد نے پوچھا جس پر اس نے کہا کہ میں ربع قرآن سے زیادہ پڑھنے پر قادر نہ ہوسکا۔ تو استاد نے کہا کہ آج رات ایسے تلاوت کرنا جیسے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو سنا رہے ہو جن پر قرآن نازل ہوا تھا اس نے جواب میں حامی بھرلی۔ جب سویرا ہوا تو اس نے بتایا کہ میں آج پوری رات بھر قرآن پاک کے ایک جزء سے زیادہ پر قادر نہ ہوسکا۔ پھر اس نے کہا بیٹے آج رات تم قرآن کو جبرئیلؑ کے روبرو سمجھتے ہوئے تلاوت کرنا جس نے محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا تھا تو اس نے حامی بھرلی۔ پھر صبح ہوئی تو اس نے کہا استاد صاحب میں آٹھ دس آیات سے زیادہ پڑھنے پر قادر نہیں ہوسکا۔ تو استاد نے کہا بیٹے۔ آج کی رات تم اللہ کی طرف رجوع ہونا اور اس کے روبرو سمجھتے ہوئے تلاوت کرنا۔ جب صبح ہوئی تو استاد اس نوجوان کا انتظار کرنے لگا مگر وہ نہیں آیا۔ اور اس نے سنا کہ وہ مریض ہوگیا۔ اس کے بعد استاد آیا نوجوان نے اسے دیکھا تو رونے لگا۔ اور کہنے لگا کہ جب میں اپنے مصلی پر کھڑا ہوا اور ذاتِ باری کو دل میں حاضر کر کے اس کے روبرو اس کی کتاب تلاوت کرنے لگا اور میں نے فاتحہ شروع کی تو **ایاک نعبد** کہنے سے حیا آنے لگی کیونکہ مجھے جانتا ہے کہ میں اپنی بات میں جھوٹا ہوں پھر میں شروع فاتحہ سے **مالک یوم الدین** تک قراءت دھراتا رہا اور پوری رات یوں ہی گذر گئی۔ طلوع فجر تک میں رکوع نہیں کرسکا۔ اور ایک رکعت بھی نہیں پڑھ سکا میری دل لئیم ہوگیا اس کے تین دن بعد وہ شخص فوت ہوگیا۔ اللہ اس پر رحمت فرمائے۔ خلاصہ کلام یہ ہے نماز' مناجات اور حضوری کی حالت ہے جب بندہ اس حالت سے متصف ہوتا ہے تو اپنے آپ کو اس صفت پر نہیں پاتا جس کے ساتھ اس کا متصف ہونا ظاہر ہورہا ہوتا ہے۔ مثلاً اس نمازی کا **ایاک نعبد وایاک نستعین** کہنا۔ اور وہ مناجات میں شرماتا ہے کیونکہ وہ اپنے اس قول میں کاذب ہوتا ہے پھر اس کا قلب ڈرتا ہے اور اس کا دل پھٹتا ہے۔ پھر وہ اپنی زندگی سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ اس حکایت میں پڑھ آئے۔ البتہ جو اپنے قول میں سچا ہوتا ہے اس کا سینہ کھلتا ہے اس کا قلب خوشی سے بھر جاتا ہے۔ اور مناجات کی لذت سے کیف حاصل کرتا ہے۔ اس کا استغراق اللہ کے حضور میں بڑھ جاتا ہے۔ جیسا کہ اولیاء اور صلحاء کی حالت ہوتی ہے۔ پھر اس کے لئے ترتیل وتجوید ممکن ہوجاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قراءت قرآن سے مراد حروف کا جمع کرنا اور کلمات کا جوڑنا اور اقوال کی حکایت کرنا نہیں ہے بلکہ قراءت سے مراد اس کے معنی وحقائق میں تدبر کرنا ہے اور یہ حالت حضوری قلب کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اور یہی امام رازی کا نظریہ ہے

(۵) اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (ترجمہ:۔ بے شک ہم عنقریب آپ پر بھاری کلام نازل کریں گے) **ثقیل** سے مراد عظیم اور ذی قدر ہے یعنی ہم آپ کے اوپر عظیم اور ذی قدر کلام اتاریں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرائض واحکامات ہیں اور مجاہد کہتے ہیں اس سے مراد حرام وحلال ہے۔ ابولعالیہ کہتے ہیں اس سے وعد وعید مراد ہے۔ فراء کہتے ہیں کہ **ثقیلاً** کے معنی ہیں سنجیدہ وپختہ رائے جو کہ خفیف اور بے برکت نہ ہو کیونکہ وہ ہمارے رب کا کلام ہے۔ قشیری کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے **لا الہ الا اللہ**۔ اور مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ کی طرف جب وحی آتی تھی اور آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوتے تھے تو وہ زمین پر ساکت ہوجاتی تھی۔ پس **قول ثقیل** سے مراد قرآن پاک ہے اور ابوعلی فارسی کہتے ہیں کہ وہ منافقین پر ثقیل ہے۔ اور زجاج کا کہنا ہے کہ اپنی صحت اور نفع بخشی میں قول مبین ہے۔ پس اس کلام کا وزن ہے۔ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ عقول پر ثقیل ہے کیونکہ وہ متحیر ہے۔ اس کے معنی ومقاصد کا ادراک نہیں

کرسکتیں اور یہ جملہ، جملہ معترضہ ہے۔ جیسا کہ اکثر مفسرین کی رائے ہے۔

(۶) **اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ** (ترجمہ:۔یقیناً رات کا اٹھنا) **ناشیئة** کے معنی ہیں پہلی ساعت۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں جب آپ پہلے حصہ میں سو جائیں اور اٹھ جائیں تو اسے **شئة** کہتے ہیں اور اسی سے **ناشیئة اللیل** ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رات کے حصہ میں جو کچھ طاعات انجام دی جائیں اسے **ناشئته اللیل** کہتے ہیں۔ اور ابو عبید کہتے ہیں کہ **ناشئة اللیل** کے معنی ہیں **ساعاة اللیل** یعنی رات کے اوقات۔ ایک ساعت کے بعد دوسری ساعت۔ زجاج کہتے ہیں کہ **ناشیئة اللیل** کے معنی ہیں تمام رات کی ساعت۔ اور یہی ابن عباسؓ کا قول ہے امام زین العابدین کا قول ہے آپ نے فرمایا ہے کہ **ناشئة اللیل** سے مراد مغرب سے عشاء تک کا وقت ہے۔ سعید بن جبیر، ضحاک اور کسائی کا بھی یہی قول ہے۔ ابو منصور کہتے ہیں کہ **ناشئته اللیل** یعنی **قیام اللیل** ہے۔ یہ مصدر ہے جو فاعلة کے وزن پر آئی ہے اور یہ انشاء کے معنی میں ہے۔ جیسے کہ **العافیة** بمعنی **عفو**، **العاقبة** بمعنی **العقب** اور **الخاتمة** بمعنی **الختم** کے آتے ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں کہ **ناشئة اللیل** سے مراد ہے رات میں اٹھنے والا نفس جو کہ اپنے بستر سے عبادت کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ **هِيَ اَشَدُّ وَطْاً** (ترجمہ:۔وہ بہت ہی قوی دباؤ ڈالتا ہے) اکثر لوگوں نے اسے واؤ کی زبر اور ''ط'' کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اسے ابو حاتم نے بھی اختیار کیا ہے۔ نیز واؤ کی زیر اور طائے ممدود کی مکسور زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور ابن محصین نے واؤ ممدود کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ ''**اشد وطاء**'' کے معنی ہیں **اثبت قیاماً** (بہت ہی مناسب اور صحیح وقت) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں دن کی نماز کے مقابلے میں نمازی پر قیام واعتبار سے بہت ہی گراں۔ کیونکہ رات نیند کے لئے ہوتی ہے اور جو لوگوں نے اسے **وطاءً** پڑھا ہے۔ تو اس کے معنی ہیں بطور **موافقة**۔ منذری نے حکایت کی ہے کہ ابو الھیثم نے اس قراءت کو اختیار کیا ہے اس نے کہا کہ اس کے معنی ہیں اس کا سننا انسان کے قلب، اس کی بصارت اور زبان کو موافق کرتا ہے۔ اور جس نے اسے **وَطأً** پڑھا ہے تو اس کے معنی ہیں **ابلغ فی القیام وابین فی القول** (قیام میں زیادہ بہتر اور بیان میں زیادہ واضح) کلبی نے کہا کہ **اشد وطاءً** کے معنی ہیں **اشدنشاطاً للمصلی** (نمازی کے لئے بہت زیادہ چستی و چالاکی لانے والا) اور اخفش کہتے ہیں کہ **اشد وطاً** یعنی **اشد قیاماً**۔ معنی یہ ہیں کہ رات میں کھڑا ہونا بہت ہی زیادہ شدید، بہت گراں اور بھاری ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ اسی حالت میں رہتے تھے کیونکہ رات کے کھڑے ہونے میں ثواب شدت قیام پر منحصر ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے ''**افضل العبادات احمزها**'' یعنی سب سے افضل عبادت وہ ہے جو سب سے زیادہ پر مشقت ہو۔ **وَّاَقْوَمُ قِيْلًا** (ترجمہ:۔اور بات بہت سیدھی نکلتی ہے) **اقوم قیلا** کے معنی ہیں **احسن لفظاً**. قراءۃ جمہور یہی ہے اور انسؓ نے اسے ''**اصوب قیلا**'' پڑھا ہے۔ تو بعض افراد نے کہا کہ اے ابو حمزہ یہ تو **اقوم قیلا** ہے تو انسؓ نے فرمایا **اقوم** اور **اصوب** اور **اهقا** ء ایک ہی ہیں۔ مذہب جمہور کے مطابق یہ تاویل جائز نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اسے تفسیر اور بیان پر محمول کیا جائے ورنہ الفاظ قرآن سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اور فقہاء وصحابہ مثلاً حضرت علیؓ زید بن ثابتؓ وغیرہما اس طرح کی قراءت کو جائز نہیں سمجھتے کیونکہ یہ قراۃ **اقوم** کے مادہ سے کلی طور پر متغائر ہے۔ جس پر کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں قرآن جمع کرنے والے قراء حضرات کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

(۷) **اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا** (ترجمہ:۔ بے شک دن میں آپ کے لئے بہت مصروفیت ہیں) خلیل کہتے ہیں کہ **سبحاً طویلا** یعنی **نوماً طویلاً**۔ مبرد کہتے ہیں کہ **سبح** کے معنی ہیں ضروری امور میں مصروف رہنا اور اسی سے **السابح** ہیکیونکہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے مصروف رہتا ہے۔ زجاج کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر رات کے وقت میں سے کچھ نیند فوت ہوجائے تو آپ کے لئے دن میں فراغت ہے تو آپ اس کو کام میں لائیں۔ ایک شاعر نے کہا۔

اباحوالکم شرق البلاد وغربها ففیهالکم یا صاح سبح من السبح

پس معنی ہوں گے کہ اگر آپ رات میں کھڑے ہوتے ہیں تو دن میں آپ کے لئے فراغت ہے اس میں آپ سو جایئے یا اپنی ضروریات کے لئے آنے جانے میں استعمال کیجئے۔ نیز اسے خاء منقوط کے ساتھ (**سبحاً**) بھی پڑھا ہے۔ جس کے معنی **خفت واستراحت** ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں' کہا جاتا ہے کہ **سبخ الله عنک الحمّٰی** (اللہ آپ کے بخار میں تخفیف کرے) اس معنی میں شعر ہے۔

فستبخ علیک الهمّ واعلم بانه اذا فدّر الرحمن شیئاً فکائن

پس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کے لئے دن میں استراحت اور طویل عرصے تک ہلکا پھلکا رہنے کا وقت ہے۔ ابوعمرو البصری کہتے ہیں **السبخ** نیند اور فراغت کو کہتے ہیں۔ اور زجاج کہتے ہیں۔ **السبح** اور **السبخ** دونوں برابر برابر قریب ہیں اور حضرت علیؓ کا ارشاد ہے **امعلنا یسبخ عنا الحرّ** یعنی گرمی ہلکی ہو۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی کو سنا وہ کہہ رہا تھا **الحمد لله علی تسبیخ العروق ' واساغة الریق**۔ اس میں **تسبیخ العروق** کے معنی ہیں **سکون العروق** اور **السبخ** اور **التسبیخ** کے ایک ہی معنی ہیں۔ یحییٰ بن یعمر نے اسی ہی قرائت کے ساتھ پڑھا ہے۔

(۸) **وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ** (ترجمہ:۔ اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں) یعنی تمام اوقات واحوال میں اپنے رب کا نام لیتے رہیں اور اپنی نماز کی ابتداء میں اپنے رب کا نام لیا کریں اور یہ بھی کہا گیا ہے یعنی **بسم الله الرحمن الرحیم** کہا کریں۔ پہلی توجیح زیادہ مناسب ہے۔ **وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ** (ترجمہ: اور الگ ہوکر رہیں اسی کی طرف) یعنی اللہ کی طرف۔ **تَبۡتِیۡلًا** (ترجمہ:۔ قطعی علیحدہ) یعنی مکمل طور پر منقطع ہوکر اسی کی طرف متوجہ رہیں۔ **التبتل** کے اصل معنی ہیں دنیا سے کٹ کر اللہ کی طرف رہنا۔ اس کے معنی یہ ہیں اسی کے لئے خالص رہیں۔ جب کوئی عابد ہر چیز کو چھوڑ کر عبادت پر متوجہ ہو تو اسے کہا جاتا ہے۔ **قد تبتل** یعنی اللہ کی طاعت وامر کے علاوہ ہر شئے سے اس نے قطع تعلق کرلیا۔ اس معنی میں اعشیٰ کا شعر ہے۔

مبتلة الخلق مثل المها ة لم ترشمسا ولا زمهریرا

احمد بن یحییٰ سے فاطمہ بنت رسول ﷺ کے متعلق پوچھا گیا کہ انہیں بتول کیوں کہا گیا ہے تو اس نے کہا کہ عام امت اور زمانے بھر کی عورتوں سے عفت' فضل' دین اور حسب کے اعتبار سے الگ ہونے کی وجہ سے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں بتول اس وجہ سے کہا گیا کہ وہ دنیا سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ رہیں۔ اور حضرت مسیحؑ کی والدہ مریمؑ کو بھی بتول کہا جاتا ہے۔ اور انہیں **العذراء**

البتول بھی کہا جاتا ہے اور یہ اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے شادی کو ترک کر دیا۔

(۹) **رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** (ترجمہ:۔مشرق اور مغرب کا رب اس کے سوا کوئی معبود نہیں) حمزۃ' کسائی' ابوبکر اور ابن عامر شامی نے رب کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اس لئے کہ یہ ربک کے لئے ایک طرح کی لغت ہے۔یا ربک سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے۔باقی قراء سبع نے اسے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔زید بن علی نے اسے منصوب پڑھا ہے اور صاحب کشاف کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے یہ قسم کے طور پر پڑھا گیا یعنی حرف قسم کے اضمار ہونے کی وجہ سے رب کے نیچے زیر ہے جیسے کہتے ہیں الله لا نعلن۔اور اس کا جواب قسم لا اله الا هو ہے۔جیسے آپ کہتے ہیں والله لا احد فی الدار الا زید۔ابوحیان کہتے ہیں کہ غالباس اس بات کا ابن عباسؓ تخریج کرنا درست نہیں کیونکہ قسم میں حرف جار کا اضمار ہے۔اور بصریوں کے نزدیک اللہ کے سوا جائز یہ نہیں ہوتا۔اور اس پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا۔پس متواتر قراۃ کے مطابق رب المشرق' محذوف مبتداء کی خبر ہے یعنی هو رب المشرق. یارب المشرق مبتدا ہے اور لا اله الا هو اس کی خبر ہے۔زید بن علی نے اسے مدح کی وجہ سے ربَّ المشرق نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔اور جمہور نے مشرق ومغرب کو بطور مفرد پڑھا ہے۔اور ابن مسعود اور ابن عباسؓ نے مشارق ومغارب جمع کے طور پر پڑھا ہے۔**فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا** (ترجمہ:۔تو آپ اسی کو اپنا کارساز بنائیں) یعنی جب غیر اللہ کی نفی کر دی گئی تو اللہ کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا پس تمام امور میں اسی پر توکل کرنا واجب ہے۔

(۱۰) **وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ** (ترجمہ:۔اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے) میرے بارے میں۔بیوی اور بیٹے کی بات' اور آپ کے بارے میں مجنون' کاہن اور ساحر ہونے کی بات۔ **وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا** (ترجمہ:۔اور انہیں خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دیں) هجر جمیل وہ ہوتا ہے جس میں غم واندوہ کا اظہار نہ ہو'

(۱۱) **وَذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ** (ترجمہ:۔اور مجھ پر چھوڑ دیں جھٹلانے والوں کو) یعنی مجھے اور انہیں چھوڑ دیں۔**اُولِى النَّعْمَةِ** (ترجمہ:۔مالداروں کو) یعنی دولت وثروت والے۔النعمة کا مطلب ہے التنعم۔اور النِعمة کے معنی ہیں الانعام۔اور النُعمة کے معنی ہیں السرّة (الخاوة) اور ان سے مراد صنادید قریش اور روساء قریش ہیں۔**وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا** (ترجمہ:۔اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیجئے) یعنی تھوڑا مہلت۔حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول کے کچھ عرصہ کے بعد بدر کا واقعہ پیش آیا۔

(۱۲) **اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا** (ترجمہ:۔ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں) انکال ' نکل کی جمع ہے۔اور وہ قید ثقیل ہے۔اور یہ بھی قول ہے کہ اس کا مطلب ہے آگ کی بیڑیاں اور حدیث میں ہے یوتی بقوم بالنکول۔یہاں نکول کے معنی بیڑیاں ہیں (ایک گروہ بیڑیوں میں قید کر کے لایا جائے گا) اور قیود کو انکال کہا گیا ہے۔اس لئے کہ ان کی وجہ سے آدمی کو روکا جاتا ہے۔مقاتل کہتے ہیں عذاب شدید کی انواع کو انکال کہتے ہیں۔**وَّجَحِيْمًا** (ترجمہ:۔اور بھڑکتی ہوئی آگ) یعنی شعلہ زن آگ اور جحیم آگ کے ناموں میں سے ایک ہے۔گڑھے میں جلنے والی ہر بڑی آگ کو جحیم کہتے ہیں۔جیسے اللہ کا ارشاد ہے قالوا ابنوا له بنیانا

فالقوہ فی الجحیم(الصافات۷ ۹)(وہ کہنے لگے اس کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر بھڑکتی آگ میں اسے ڈالدو)ابن سیدہ نے کہا ہے کہ جحیم کہتے ہیں بہت ہی شدید بھڑکنے والی آگ کو۔اسی طرح آگ کو جاحم بھی کہا جاتا ہے۔اس معنی میں اعشی کا شعر ہے۔

یعدون للھیجاء قبل لقائھا غداۃ احتضار الباس والموت جاحم

(۱۳) وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ (ترجمہ:۔اور حلق میں پھنسنے والا کھانا)یعنی حلق سے بہ آسانی نہ اترنے والا۔زجاج کہتے ہیں وہ خاردار جھاڑی ہے اور الغصۃ کے معنی ہیں حلق میں ہڈی وغیرہ قسم کی چبھنے والی چیز اسے الشجی بھی کہا جاتا ہے۔ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا (ترجمہ:۔اور نہایت دردناک عذاب)یہ آگ کے عذاب کے ایک اور قسم ہے۔

(۱۴) يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ (ترجمہ:۔جس دن زمین اور پہاڑ بہت زیادہ لرزنے لگیں گے)یعنی اس دن مجھے چھوڑ دینا جب زمین و پہاڑ لرزنے لگیں گے۔یوم کا لفظ منصوب ہے ان لدینا کی وجہ سے یعنی اس دن ہمارے پاس۔یہ زجاج کا قول ہے اور رجفۃ اضطراب وزلزلہ کو کہتے ہیں۔وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا (ترجمہ:۔اور ہوجائیں گے پہاڑ ریت کا ڈھیر) ریت کے بڑے ٹیلے کو کثیب کہتے ہیں اس کی جمع کثبان۔ مَّهِيْلًا (ترجمہ:۔بکھرتا ہوا ریزہ ریزہ)یعنی بہنے والا۔الھیل اور الھائل اس ریت کو کہتے ہیں جو اپنے مقام پر نہ ٹک سکے یہاں تک کہ بہہ کر گر جائے۔کہا جاتا ہے تراب مھیل اور تراب مھیول۔اس کے معنی ہیں بہنے اور گرنے والی مٹی۔زیادہ تر لغت میں مھیل ہے اسی طرح فراء اور زجاج نے ذکر کیا ہے۔معنی یہ ہیں کہ اس وقت پہاڑوں کے اجزاء منتشر ہوجائیں گے۔یہاں تک کہ وہ دھنکی ہوئی اون کے رنگین ریشے بن جائیں گے۔

(۱۵) اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ (ترجمہ:۔بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا تم پر گواہ) یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور خطاب مکے والوں سے ہے۔كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (ترجمہ:۔جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا)یعنی موسیٰؑ

(۱۶) فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (ترجمہ:۔تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی)جسے ہم نے اس کی طرف بھیجا تھا اور اس نے اس کی تکذیب کی اور جو کچھ تورات اور واضح معجزات وغیرہ میں سے لایا تھا اس پر وہ ایمان نہیں لایا۔فرعون کا حال اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اہل مکّہ یہودیوں کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے واقف تھے۔فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (ترجمہ:۔تو ہم نے اسے سخت گرفت سے پکڑلیا)اخفش کہتے ہیں وبیلا یعنی شدید ا۔

(۱۷) فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ (ترجمہ:۔پھر کیسے بچاؤ گے) اپنے آپ کو عذاب سے قیامت کے دن ۔ اِنْ كَفَرْتُمْ (ترجمہ:۔اگر تم نے انکار کیا)اللہ اور اس کے رسول کا يَوْمًا (ترجمہ:۔اس دن)یعنی اس دن کا عذاب۔يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا (ترجمہ:۔بچوں کو بوڑھا کردے گا)یعنی شدت ہول کی وجہ سے کھچڑی بالوں والا بوڑھا۔الشیب کا واحد اشیب ہے۔ابن الانباری کہتے ہیں کہ یوم' کفرتم کی وجہ سے منصوب ہے۔

(۱۸) السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ (ترجمہ:۔آسمان اس کی وجہ سے پھٹ جائے گا)یعنی شق ہوجائے گا۔صاحب کشاف کہتے

ہیں کہ بہ میں ''باء'' استعانت کی ہے۔فراء کہتے ہیں کہ السماء کا لفظ مذکر اور مونث آتا ہے۔ابوعلی فارسی کہتے ہیں۔السماء کا لفظ الجراد' المنتشر اور الشجر الاخضر اور اعجاز نخل منقعر کے قبیل سے ہے۔آسمان کا پھٹنا صور کی وجہ سے ہوگا اور اس میں سے فرشتے برآمد ہوں گے۔ كَانَ وَعْدُهٗ (ترجمہ:۔اس کا وعدہ ہوگا) دوبارہ اٹھانے اور حساب کتاب وغیرہ کا وعدہ۔ مَفْعُوْلًا (ترجمہ:۔ہوکر رہنے والا) یعنی نافذ ہوکر رہے گا اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ہوگا۔

(۱۹) اِنَّ هٰذِهٖ (ترجمہ:۔بے شک یہ) یعنی جو مواعظ واحکام مذکور ہو چکے ہیں۔ تَذْكِرَةٌ (ترجمہ:۔نصیحت ہے) یعنی بہترین وعظ ہے۔ فَمَنْ شَآءَ (ترجمہ:۔تو جو چاہے) اپنی نجات اتَّخَذَ (ترجمہ:۔اختیار کرے) فرمانبرداری کے ذریعہ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (ترجمہ:۔اپنے رب کی طرف راستہ) جو اللہ کی رضا ورحمت کی طرف لیجائے گا۔

(۲۰) اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ (ترجمہ:۔بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات سے قلیل اور آدھی رات اور تہائی رات قیام کرتے ہیں) ابن کثیر اور کوفیوں نے اور نصف اور ثلثة کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے انہیں ثلثی الیل کی عطف کی وجہ سے ''جر'' کے ساتھ پڑھا ہے۔اور اس قراۃ کو ابوعبید اور ابوحاتم نے اختیار کیا ہے فراء کہتے ہیں اسی نصب سے پڑھنا زیادہ صحیح کے قریب ہے۔وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ (ترجمہ:۔اور ایک جماعت بھی ان لوگوں میں سے جو آپ کے ساتھ ہے) یہ تقوم کی ضمیر پر عطف ہے۔ان دونوں کے درمیان فاصلے نے اسے خوبصورت بنادیا ہے یہ ابوحیان کا قول ہے۔وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (ترجمہ:۔اور اللہ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے) یعنی کمی بیشی کی مقدار کو جانتا ہے جیسا کہ علم نجوم میں مذکور ہے۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ (ترجمہ:۔وہ جانتا ہے کہ تم ہرگز اس کا احاطہ نہ کرسکو گے) یعنی جس طرح اللہ کا علم ہے اس طرح اس کی مقادیر کو نہیں جان سکو گے۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ (ترجمہ:۔پھر وہ تم پر رجوع بہ رحمت ہوا) وہ تم پر رحمت سے ملتفت ہوا اور اس نے تمہیں پوری رات قیام نہ کرنے کی رخصت عطا فرمائی۔اور قیام اللیل سے مراد تہجد کی نماز ہے۔اس سے ظاہر ہوا کہ تہجد کی نماز رسول اللہ ﷺ کی امت پر فرض نہیں ہے۔کیونکہ قم اللیل کا ارشاد ربانی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی ﷺ پر فرض تھا اور اس کی تائید تقوم ادنیٰ .....الی آخر سے بھی ہوتی ہے۔جس کی تفسیر گذر چکی ہے۔فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (ترجمہ:۔تو قرآن سے جتنا آسان ہو پڑھ لیا کرو) مفسرین کرام کہتے ہیں کہ رات کی نماز میں جتنا تم پر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو۔اور قرآن کے آسان ہونے سے مراد سو آیات ہیں۔یہ کعب حسن' اور سدّی کا قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد پچاس آیات ہیں۔اور ابن عباسؓ سے مرفوعاً سو آیات مروی ہے۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) حنفی حضرات نے نماز میں قرآن کی قرأت کے حوالہ سے اسی آیت کے عموم سے دلیل پکڑی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت فرض ہے نہ کہ سورۃ فاتحہ کی قراءت۔جیسا کہ شوافع کا نظریہ ہے اور اس سلسلے میں لا صلوة الا بفاتحة الكتاب کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔یہ اس لئے کہ ایک رائے کے مطابق کتاب کا حکم عام ہے۔اور ایک رائے کے مطابق کتاب کا حکم مطلق ہے۔پس قرآن پاک میں سے کسی بھی حصہ کی قراءت کردینے سے مامور شخص مامور بہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجائے گا۔اور اگر حدیث مشہور ہوتی تو اس

کے مقتضاء پر عمل واجب ہوتا۔لیکن کتاب سے یہ بات ثابت نہیں ہے خاص طور پر سورۃ فاتحہ کے حوالہ سے۔پس ہم کہتے ہیں کہ قرآن پاک کا پڑھنا حدیث کے بموجب (نماز میں) واجب ہے۔جمہور شوافع کا جواب یہ ہے کہ "**فاقرؤو ما تیسر من القرآن**" کا حکم نماز میں **فاتحة الکتاب** کی قراءت پر دلالت کرتا ہے۔کیونکہ اللہ نے قرآن پاک میں سے کچھ بھی پڑھنے کا حکم دیا اور آسانی کی قید لگائی ہے۔اور ظاہر ہے کہ آسانی سورۃ فاتحہ کے پڑھنے میں ہے۔کیونکہ مرد، عورتیں اور بچے آسانی کی وجہ سے فاتحۃ الکتاب کو پڑھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے اس کی جلالت قدر کے ساتھ ساتھ مختصر ہونے کی وجہ سے بھی یاد کرتے ہیں۔پس نماز میں سورۃ فاتحہ کی قراءت ان کے لئے آسان ہے۔برخلاف دیگر سورتوں کے کیونکہ وہ دیگر سورتوں کو اس سورۃ کی طرح یاد نہیں کرتے۔پس قرآن میں آسانی سورۃ فاتحہ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔انہوں نے اس بارے میں عبادہ بن صامتؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لاصلوة الا ان تقراء بفاتحة الکتاب** (فاتحۃ الکتاب کو پڑھے بغیر نماز نہیں ہوگی) اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرۃ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **کل صلوة لا یقراء فیها بام القرآن فهی خداج فهی خداج** 'فهی **خداج غیر تمام**۔اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے مرفوع روایت ہے **لا تجزی صلوة من لم یقرء بام القرآن**۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ یہ مشہور احادیث اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد (**فاقرؤ ما تیسر من القران**) کا بیان واقع ہوئی ہیں۔علامہ صاحب شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ آیت "**فاقرؤ ما تیسر**" میں ما کا کلمہ عموم کے لئے ہے۔پس اس عموم پر عمل واجب ہے۔میں کہتا ہوں کہ محققین علماء اصول کی رائے کے مطابق کلمہ ما صرف عموم کے لئے نہیں ہے بلکہ عموم وخصوص دونوں کا حامل ہے۔جیسے کہ صاحب منار نے فرمایا ہے کہ من اور ما دونوں عموم اور خصوص کا احتمال رکھتے ہیں۔اور درحقیقت ان کی اصل عموم ہی ہے اور شیخ ابوالحسن الاشعری فرماتے ہیں کہ مستعملہ صیغے عموم وخصوص میں مشترک ہیں اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ما میں عموم وخصوص کا احتمال ہے۔مگر اس کے خصوص کا احتمال حسب قرائن ہوتا ہے۔اور اس آیت میں خصوص کا قرینہ موجود ہے اور وہ ہے "**تیسر**" اور ظاہر ہے کہ تمام نمازیوں کے لئے تیسر (آسانی) فاتحۃ الکتاب سے حاصل ہے۔ایسے میں خصوص کے احتمال کو اس قرینہ کی وجہ سے عموم کے احتمال پر ترجیح دی جائے گی۔ اور دوسرا اس لئے کہ عام اور مجمل میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا قسیم نہیں ہے پس ان دونوں کا ایک مادہ میں جمع ہونا ممکن ہے۔پھر علامہ فرماتے ہیں اگر یہ کلمہ مجمل ہوتا تو اس آیت کے مقتضاء پر عمل کرنا مشکل ہوتا۔میں کہتا ہوں کہ مجمل تفسیر کے بیان کا محتاج ہوتا ہے خواہ وہ بیان موصولہ ہو یا مفصولہ ہو پس جب شارعؑ کی طرف سے بیان آجائے تو اس پر عمل کیا جائے گا جیسا کہ **اقیموا الصلوة واتو الزکوة** اور **حجو البیت** پس یہ کلمات احناف ودیگر ائمہ کے نزدیک بالاتفاق مجمل ہیں ان کا بیان قرآن شریف میں موجود نہیں ہے بلکہ اسے قولی اور فعلی سنت نے بیان فرمایا ہے۔اور یہ مفصول بیان ہے۔پس بیان کے پائے جانے کے بعد مجمل کے مقتضاء پر عمل کرنا متعذر نہیں رہتا۔پس نماز، زکوۃ اور حج کے احکامات سنت کے ذریعہ بیان کردئے گئے۔اور اسی طرح قراءت کا حکم بھی سنت کے ذریعہ مبین ہوگیا ہے اور وہ بیان ہے حدیث **لا صلوة الا بفاتحة الکتاب**۔اور اس مسئلہ کے بارے میں ہم اپنے رسالہ "**توضیح المرام فی قراء ت الفاتحة خلف الامام**" میں بیان کرچکے ہیں۔اس کا ہم اعادہ نہیں کررہے ہیں۔پھر **صلوة اللیل** میں اختلاف ہے وہ

نبی پاکؐ پر فرض تھی یا نہیں۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی نماز فرض نہیں تھی کیونکہ اللہ نے **ما تقدم من ذنبه وماتاخر** کی مغفرت سے سرفراز فرمادیا ہے۔ پس آپ ﷺ پنج وقتہ کے علاوہ جو بھی نماز پڑھتے یا رمضان کے علاوہ روزہ رکھتے وہ آپ کے حق میں نفل اور زیادتی ثواب کا موجب ہوتے پس رات کا قیام آپ کے حق میں فرض نہیں تھا۔ دوسری قوم کا نظریہ ہے کہ **صلوة اللیل** رسول اللہ ﷺ پر فرض تھی کیونکہ اللہ نے آپؐ کے بارے میں فرمایا ہے. **فتهجد به نافلة لک**۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے **قم اللیل الا قلیلا**۔ **تهجد** اور **قم** امر کے صیغے ہیں اور امر کا صیغہ فرضیت کے لئے ہوتا ہے۔ پس **تهجد** آپ کے حق میں فرض تھا۔ ''**نافلة لک**'' کے یہ معنی ہیں کہ یہ فریضہ پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ زائد فرض ہے۔ اور یہ فرض آپؐ کے لئے مخصوص ہے نہ کہ آپؐ کی امت کے لئے۔ کیونکہ '' **نافلة لک** '' میں ''**لک**'' کا لفظ سرکار کی ذات پر اختصاص کی دلالت کرتا ہے۔ برخلاف پنج وقتہ نمازوں کے امر کے کہ آپ ﷺ اور آپ کی امت کے حق میں فرض ہیں۔ یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے۔ اور یہی امام رازی نے اختیار کیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ **صلوة اللیل** (تہجد) رسول اللہ ﷺ پر فرض تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت یعنی **فاقرو ما تیسر من القرآن** ' **قیام اللیل** یعنی **صلوة اللیل** کے ذریعہ منسوخ ہوگئی۔ میں کہتا ہوں کہ نسخ موجود نہیں ہے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس آیت کا ظاہر **صلوة اللیل** میں قراءت کی تیسیر پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ امت کے حق میں بھی تیسیر ہے اور اس خصوص میں ''امر'' اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جس شخص نے بھی قراءت میں اقتصار کو ترک کرلیا وہ گناہ گار ہوجائے گا۔ بلکہ اس کے لئے قراءت کو طویل کرنا اور طلوع فجر تک نماز پڑھتے رہنا جائز ہوگا پس جب یہ حکم نماز میں قراءت کے اقتصار کے ساتھ مخصوص ہے تو وہ نماز تہجد کا کیوں کر ناسخ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ جزو کی وصف کا تغیر بمعنی قراءت مجموع کے تغیر کو واجب نہیں کرتا۔ مجموع ہے نماز تہجد پس نسخ نہیں ہوگا۔ دوسرا اس لئے بھی کہ اقتصار قراءت کے حکم کا امت کے ساتھ بھی مخصوص ہونا بھی جائز ہے کیونکہ **اقرؤ** کے ارشاد میں افراد امت ہیں۔ اور نبی پاک ﷺ اس حکم میں داخل نہیں تھے جیسا کہ اس پر **فتهجد به نافلة لک** کا ارشاد ربانی دلالت کررہا ہے۔ تیسرا اس لئے بھی کہ پنج وقتہ نمازوں کی فرضیت آپ ﷺ کے حق میں قیام اللیل کی فرضیت کے منافی نہیں ہے۔ نہ صرف آپؐ بلکہ امت کے حق میں بھی قیام اللیل کی فرضیت کے منافی نہیں ہے۔ جبکہ حکم ناسخ کا حکم منسوخ کے منافی ہونا واجب ہوتا ہے۔ اور جب دونوں کے درمیان منافاۃ کی نفی ہوگئی تو نسخ کی بھی نفی ہوگئی۔ باقی رہا حضور پاک ﷺ کا اس سائل کے جواب میں فرمانا جس نے یہ پوچھا تھا پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ مجھ پر کچھ فرض ہے؟ تو آپ کا جواب **لا الا ان تطوع** اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ باقی نمازیں امت کے حق میں ''**تطوع**'' ہی ہیں۔ اور یہ بات احناف کے لئے مشکل ہے کیونکہ ان کے نزدیک عیدین اور وتر کی نماز واجب ہیں۔ اسی طرح جمعہ کی نماز بھی ان لوگوں کے قول کے مطابق جن کا کہنا ہے کہ وہ مستقل فریضہ ہے ظہر کا بدل نہیں ہے۔ پس ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ تہجد رسول اللہ ﷺ پر فرض تھا نہ کہ آپ کی امت پر۔ اس کے بعد اللہ نے قراءت کے اقتصار کے وجوب کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا **عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى** (ترجمہ:۔ اسے معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے) انّ مخففہ ہے اور **مرضاً** مریض کی جمع ہے یعنی اللہ کو علم ہے کہ تم میں سے کچھ مریض ہوں گے تو ان پر تہجد کی نماز گراں ہوگی۔ **وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ**

(ترجمہ:۔اور کچھ زمین میں سفر کریں گے) **الضرب فی الارض** کے معنی ہیں ''زمین میں سفر کرنا'' صاحب لسان فرماتے ہیں لفظ **ضرب** تمام اعمال پر استعمال ہوتا ہے سوائے افعال کے۔ **''ضرب فی التجارة'' ''ضرب فی الارض'' '' ضرب فی سبیل الله''** اسی طرح ارشاد ربانی ہے۔ **واذا ضربتم فی الارض** (النساء۱۰۱) یعنی جب تم اس میں سفر کرو اور دوسرے مقام پر ہے۔ **لا یستطیعون ضرباً فی الارض** (البقرہ۲۷۳) یعنی سفر کی طاقت نہیں رکھتے۔اور اسی سے لفظ مضارب بھی ہے۔کیونکہ وہ منافع کمانے کے لئے تجارتی سفر کرتا ہے۔مضاربۃ مفاعلہ کے وزن پر ہے اور تجارت کے لئے زمین پر سیر وسفر کے معنی میں ہے۔ **يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ** (ترجمہ:۔اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے) یعنی اللہ کا رزق طلب کرتے ہوئے یہ جملہ **یضربون** کی ضمیر سے حال ہے۔ **وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** (ترجمہ:۔اور دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوں گے) وہ **مجاھد ین فی سبیل الله** ہیں ان پر رات کا قیام گراں ہوگا۔یہ اللہ کا فضل ہے کیونکہ اس نے اس حکم میں مریضوں اور **مجاھدین فی سبیل الله** اور روزی کمانے والوں کو برابر کر دیا سوائے اس کے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا شخص پہلی دو قسموں میں سے رتبہ میں اعلیٰ ہے۔اور یہ ظاہر بھی ہے۔ **فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ** (ترجمہ:۔تو اس میں سے جتنا آسان ہو پڑھ لیا کرو) یعنی قرآن پاک میں سے اور یہ رخصت تمہارے واسطے اقتصار قراءت اور قیام اللیل میں ہے۔ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** (ترجمہ:۔اور نماز قائم رکھو) یعنی فرض نماز کو اس کے وقت پر قصر کے طور پر مغرب کے سوا۔ **وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ** (ترجمہ:۔اور زکوۃ ادا کرو) جو کہ سال گذرنے کے بعد اموال میں فرض کی گئی ہے۔ **وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا** (ترجمہ:۔اور اللہ کو اچھا قرض دو) یعنی زکواۃ کے سوا اللہ کی راہ میں اچھی طرح سے خرچ کرو۔زید بن اسلم فرماتے ہیں قرضِ حسنہ سے مراد مستحقین پر خرچ کرنا اور یہ زکوۃ کے حکم سے علاوہ حکم ہے۔ **وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ** (ترجمہ:۔اور جو کچھ تم اپنے لئے بھلائی آگے بھیجو گے) خواہ وہ کوئی بھی بھلائی ہو۔ **تَجِدُوْهُ** (ترجمہ:۔تم اسے پاؤ گے) یعنی اس بھلائی کو **عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا** (ترجمہ:۔اللہ کے حضور' اس سے بہتر) اس سے جسے تم نے آگے بھیجا تھا۔ **وَّاَعْظَمَ اَجْرًا** (ترجمہ:۔اور ثواب میں بہت بڑا) یعنی بہت ہی بہتر ثواب۔جمہور نے ''**ھو خیرا**'' کو منصوب پڑھا ہے۔کیونکہ وہ **تجدوہ** کا مفعول ثانی ہے۔نیز اسے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے اس لئے کہ وہ ''**ھو**'' کی خبر ہے۔اور یہ جملہ محل نصب میں ہے اسی طرح **اعظم اجرا** بھی ہے۔ **وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ** (ترجمہ:۔اور اللہ سے بخشش طلب کرتے رہو۔) یعنی اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہا کرو۔ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** (ترجمہ:۔یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے) کیونکہ مغفرت چاہنے کے لئے کثیر المغفرت اور رحم طلب کرنے والے کے لئے کثیر الرحمت ہے۔